اُردو صحافت (۱۸۵۷ء کے تناظر میں)

ڈاکٹر صائمہ ارم، ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبۂ اُردو، جی سی یونیورسٹی، لاہور

Abstract

Urdu Journalism has maintained a course of more than two hundred years in Sub continent, and has been a revolutionary medium for fighting for rights of public in general and for Muslims in particular. It has gone through various phases since the beginning. This article deals with the analysis of British Acts of censorship on Press and also with the role the Urdu Press played especially during the war of Independence.

برصغیر پاک و ہند میں اردو صحافت کے آغاز کو دو صدیاں گزر چکی ہیں۔ یہاں کے سماجی سیاسی اور علمی منظر نامے میں یہ صدیاں بظاہر تو محض دو سو برس ہیں اور قوموں کی زندگیوں میں سو دو سو برس کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتے۔ یہ دو سو برس، دو ہزار برس جیسے تھے۔ خاص طور پر بیسویں صدی ایسی تیز رفتار اور بھید بھری رہی ہے کہ جس کی مثال انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔ اردو صحافت کے بہت سے پہلو ہیں، سیاسی اخبارات سے لے کر ادبی، پھر ماہنامے، جرائد، اخبارات، رسائل اور جانے کیا کیا کچھ۔ ادھر جب سے الیکٹرونک میڈیا کا چرچا ہوا اور ازاں بعد سوشل میڈیا ہاتھ لگا، گویا معلومات کا ساتواں در کھل گیا بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ صحافت میں ایک پنڈورا باکس کھل گیا۔

برصغیر میں قلمی صحافت کا آغاز مسلمان حکمرانوں کے سرکاری وقائع نگاروں کے مرتب کردہ خبر ناموں سے ہوا۔ یہ وقائع نگار خطے کے طول عرض میں وقوع پذیر ہونے والے چھوٹے بڑے واقعات کی خبر حکمرانوں تک پہنچاتے تھے جس سے حکمرانوں کو اپنی سلطنت کے بندوبست میں مدد ملتی تھی[1]۔ ظاہر ہے کہ یہ اطلاعات عام افراد کے لیے نہیں ہوتی تھیں۔ انھی خبروں کے ذریعے بغاوتوں کو فرو بھی کیا جاتا تھا اور حکومت کے پسندیدہ افراد کا تعین بھی ہوتا تھا۔ یوں یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ آغاز ہی سے اخبار سلطنت کے ایک آلے کے طور پر کام کرتا آیا ہے۔ یہ صورتحال بعد میں بھی اگرچہ بدلی ہوئی حالت میں برقرار رہی۔

برصغیر میں چھاپہ خانہ سب سے پہلے سولھویں صدی کے وسط آخر (۱۶۷۶) میں پرتگالی مشنریوں کے ذریعے متعارف ہوا۔ بعد ازاں متعدد مذہبی متون کونکنی، تامل اور دیگر ہندوستانی زبانوں میں چھاپے گئے لیکن اٹھارہویں صدی کے آخر تک اخبارات و جرائد کی باقاعدہ اشاعت شروع نہیں ہو سکی۔ یہ ایک انقلاب آفریں عہد کا آغاز تھا۔ جدید اردو صحافت اس بڑے واقعے کی مرہون منت ہے۔ اٹھارویں صدی کے آخر میں کلکتہ اور مدراس میں

چھاپہ خانے بنائے گئے اور چند برسوں کے اندر اندر بنگالی اور فارسی پریس کا آغاز ہوگیا۔ برصغیر کا پہلا مطبوعہ اخبار ہکی گزٹ (Gazzettes'' hickey) تھا۔ جسے HickyAugustsJames جیمز آگسٹس ہکی نے کلکتہ سے جاری کیا۔ ڈاکٹر عبدالاسلام خورشید نے ہکی کو برصغیر میں صحافت کا باوا آدم قرار دیا ہے[۲] اور ایسا کہنا غلط بھی نہیں کیونکہ ہکی نے برصغیر کی صحافت کو قابل لحاظ حد تک متاثر کیا بلکہ پی جے مارشل کے مطابق ۱۷۸۰ سے ۱۸۰۰ کے درمیان ۲۴ ہفتہ وار اور ماہانہ اخبارات جاری ہو چکے تھے اور انگریزی مطبوعات کی سرکولیشن ۳۰۰۰ تک پہنچ چکی تھی[۳] اور اس کا سہرا بھی ہکی ہی کے سر ہے۔

ہکی کو برطانوی راج کی طرف سے سخت پابندیوں کا سامنا کرنا پڑا، جن میں قید و بند کی صعوبتیں بھی شامل تھیں لیکن وہ اپنا کام کرتا رہا۔ یہ درست ہے کہ اس نے ایسی صحافت کا بھی آغاز کیا جسے جدید اصطلاح میں زرد صحافت کہا جاتا ہے لیکن یہ بھی امر واقعی ہے کہ ہکی ان اوّلین صحافیوں میں سرفہرست تھا جنہوں نے کولونیل راج کے خلاف آواز اٹھائی۔ اسی فہرست میں ولیم ڈوان DuanWilliam کا نام بھی آتا ہے۔ ڈوان کو برطانوی نظام کے خلاف سخت نکتہ چینی کرنے کی وجہ سے بالآخر ملک بدر کر دیا گیا۔ یوں اخبارات پر کسی نہ کسی طرح سے پابندی یا سنسر شپ کا آغاز اخبارات کے اجرا کے ساتھ ہی شروع ہوگیا۔

صحافت کو پابند کرنے کے لیے انگریزوں نے پہلا قانون ۱۷۹۹ میں جاری کیا تھا۔ اس قانون کے تحت کوئی شخص سرکاری منظوری اور سرکاری افسران کو دکھائے بغیر کوئی اخبار نہیں چھاپ سکتا۔ خلاف ورزی کی صورت میں جیل، جرمانہ یا ملک بدری کی تعزیریں جاری ہوسکتی تھیں۔ اسی قانون کے تحت، حکومت کو اخبارات پر پابندی لگانے کا حق بھی حاصل ہوگیا۔ یہ اخبارات پر سنسر شپ کا باقاعدہ آغاز تھا۔ ۱۸۱۸ میں سنسر شپ کی سختی تو کم کر دی گئی لیکن اخبارات پر لازم تھا کہ وہ حکومت کے یا کسی مذہبی گروہ کے خلاف کچھ نہ چھاپیں۔ اسی سال بنگالی اخبارات کا بھی اجرا ہوا۔ پھر جام جہاں نما ۱۸۲۲ کے اجرا سے برصغیر میں صحافت کی روایت مضبوط تر ہونے لگی۔ البتہ صحافت کی آزادی کو ایک اور جھٹکا ۱۸۲۳ میں سہنا پڑا جب لارڈ ہیسٹنگز کے استعفیٰ کے بعد پریس پر ایک اور سخت قسم کا قانون نافذ کر دیا گیا۔ اس قانون کے خلاف عدالت میں اپیلیں بھی ہوئیں اور خاصا احتجاج بھی کیا گیا۔ راجہ رام موہن رائے نے بطور احتجاج اپنے اخبارات بند کر دیے۔ کچھ عرصہ یہی صورتحال رہی۔ پھر سر چارلس مٹکاف کے گورنر جنرل بننے پر پریس اور حکومت کے درمیان خوشگوار تعلقات پیدا ہوئے اور ۱۸۵۳ میں پرانا قانون منسوخ کر کے نسبتاً نرم قانون نافذ کر دیا گیا۔

اس مختصر تاریخی پس منظر کو سامنے رکھتے ہوئے برصغیر کی صحافت کے انداز اور اس پر لگائی گئی پابندیوں کا اندازہ کرنا مشکل نہیں۔ لیکن جلد ہی یہ روایت اتنی مضبوط ہوگئی کہ مرگریٹا بارنز BarnsMargareta اس وقت کے صحافیوں کی ذمہ داری بتاتے ہوئے لکھتی ہیں:

"To admonish Governors of their duties, to warn them

furiouslyoftheir faults, and to tell disagree able truths." ۴

۱۸۵۷ کی جنگ کے وقت ہندوستانی پریس کو قیام میں آئے لگ بھگ ۵۷ برس ہو چکے تھے۔اور جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا صحافت نہ صرف طاقتور بلکہ مؤثر بھی ہو چکی تھی۔ یہاں یہ بھی دھیان رکھنا چاہیے کہ ابتدائی اردو صحافت میں بنگالی مسلمانوں نے بہت ایکٹو کردار ادا نہیں کیا تھا۔شاقید اس کے پیچھے پلاسی اور بکسر کی جنگ کا تلخ تجربہ کارفرما ہو۔ جنگ آزادی کے وقت برصغیر کی صحافت کو ڈاکٹر سیمی نغمانہ طاہر اور ڈاکٹر منیر احمد بلوچ نے مندرجہ ذیل چار اقسام میں منقسم کیا ہے۔

۱۔ انگریزی اور ورنیکولر اخبارات، جن کو راج کی مکمل سر پرستی حاصل تھی۔مثلاً جام جہاں نما۔فوائد الناظرین، قران السعدین، کوہ نور وغیرہ

۲۔ وہ انگریزی یا مقامی زبانوں کے اخبارات جو راجہ رام موہن، ۔دوارکا راج ٹیگور، ہری دت وغیرہ جیسے پڑھے لکھے ہندوستانیوں کی ادارت میں شائع ہوتے تھے۔

۳۔ وہ اخبارات جو چند ہندوستانی ریاستوں کے نوابوں یا حکمرانوں نے مخصوص عزائم کے تحت چھاپنے شروع کیے مثلا بنارس گزٹ یا باغ و بہار بنارس وغیرہ

۴۔ اردو اور فارسی کے وہ اخبارات جو خاص طور پر ان علاقوں سے شائع ہوتے تھے جہاں یہ جنگ حقیقی طور پر لڑی جا رہی تھی مثلا دہلی، لکھنو یا ؟ گرہ سے چھپنے والے اخبارات۔۵

اردو صحافت کی نشو ونما ۱۸۴۰ کے بعد ہوئی، اور ۱۸۵۱ سے ۱۸۵۶ تک اس کی ترقی کی رفتار خاصی تیز رہی۔۱۸۵۷ سے پہلے تقریباً ۱۲۲ اردو اخبارات سامنے آ چکے تھے لیکن ان اخبارات کی طباعت کے مراکز زیادہ تر دہلی، آگرہ، لکھنو، مدارس اور بمبئی رہے۔۱۸۵۷ کی جنگ آزادی میں ان اخبارات نے ایک اہم کردار ادا کیا۔ان اخبارات کا تفصیلی جائزہ نہ صرف جنگ کے دوران بلکہ جنگ سے پہلے مسلمانوں میں بے چینی کی لہر کو نمایاں کرتا ہے۔دہلی چونکہ اس وقت تک انگریزوں کے براہ راست اثر سے آزاد تھا اس لیے یہاں مسلمانوں کو اپنی بات کہنے اور دوسروں تک پہنچانے کی آزادی نسبتا زیادہ تھی۔یہی وجہ ہے کہ جنگ کے دوران یہاں کے اخبارات کا کردار دوسروں کی نسبت زیادہ موثر رہا۔ بلکہ جنگ کے ابتدا ہی میں انگریزی اخبارات نے شور مچا دیا کہ دیسی اخبارات پر پابندی لگا دی جائے۔چنانچہ لارڈ کیننگ نے وہ قانون جاری کر دیا جو بعدازاں قانون زباں بندی کے نام سے مشہور ہوا۔کئی اینگلو انڈین اخبارات نے بھی ACT GAGGING کی نہ صرف حمایت کی بلکہ یہ بھی مطالبہ کیا کہ مسلمانوں کو کلیدی عہدوں سے ہٹا دیا جائے۔دیسی اخباروں کو باقاعدہ احکامات جاری کیے گئے کہ وہ باغیوں کی حمایت میں کوئی بیان نہ چھاپیں۔شاید یہی وجہ تھی کہ ۱۸۵۳ میں شمال مغربی صوبہ جات میں ۳۵ اردو اخبارات شائع ہوتے تھے لیکن ۱۸۷۸ میں یہ تعداد گھٹ کر محض ۱۲ رہ گئی۔ان میں سے ۶ نئے اور ۶ پرانے اخبارات تھے، اور صرف ایک کی ادارت کسی مسلمان کے ہاتھ میں تھی۔

۱۸۵۷ کے دوران میں جن اخبارات نے خاص اور اہم کردار ادا کیا اور جن کو براہ راست حکومتی عتاب کا نشانہ بننا پڑا ان میں سب سے نمایاں نام اخبار دہلی کا ہے۔ یہ ہفتہ وار اخبار مولوی محمد باقر نے ۱۰ اکتوبر ۱۸۵۳ کو دہلی سے جاری کیا تھا۔ ۱۸۴۰ میں اس کا نام دہلی اردو اخبار کر دیا گیا۔ ۱۸۵۸ کی جنگ میں اس اخبار نے کھلم کھلا حریت پسندوں کی حمایت کی اور جہاد کا فتویٰ بھی شائع کیا۔ لیکن جنگ کی ناکامی کے بعد مولوی محمد باقر کو گولی مار دی گئی۔ مولانا محمد حسین آزاد پر اس واقعے کا گہرا اثر ہوا تھا اور دیوانگی کے زمانے میں کئی اوقات انگریزوں سے ان کی نفسیاتی دوری کے جو واقعات ملتے ہیں ان کی شاید ایک وجہ یہ واقعہ بھی ہو۔ خود آزاد کو خاصا عرصہ روپوش بھی رہنا پڑا تھا۔ دوسرا اہم اخبار سید الاخبار ہے جو سرسید کے بھائی سید محمد نے دہلی ہی سے ۱۸۳۷ میں جاری کیا تھا۔ انگریز اس اخبار کو متعصب قرار دیتے تھے اور اس پر کڑی نظر رکھتے تھے۔ سراج الاخبار اگرچہ فارسی میں تھا لیکن اس کی اہمیت یہ ہے کہ یہ بہادر شاہ ظفر کا کورٹ گزٹ تھا۔ گارساں دتاسی نے اس اخبار کو برصغیر کا قدیم ترین اخبار قرار دیا ہے جو پہلے قلمی صورت میں تھا البتہ ۱۸۴۱ سے شائع ہونے لگا۔ اس اخبارات کے مندرجات کو بہادر شاہ ظفر کے خلاف عدالتی کارروائیوں میں بھی استعمال کیا گیا۔ ان اخبارات کے علاوہ صادق الاخبار بھی ایک اہم اخبار ثابت ہوا۔ تقریباً یہ تمام اخبارات ۱۸۵۷ کے بعد بند کر دیے گئے۔

۱۸۵۷ کے بعد اخبارات پہ بالعموم اور اردو اخبارات یا دیسی اخبارات پہ بالخصوص سخت پابندیاں عائد کی گئیں۔ مسلمان صحافت سے قریب قریب بے دخل ہو گئے۔ نئے جاری ہونے والے اخبارات کی ادارت زیادہ تر ہندوؤں کے سپرد تھی۔ رفیق ہند اپنی یکم جنوری ۱۸۵۷ کی اشاعت میں لکھتا ہے ''اس وقت خدا کے فضل سے ہندو بھائیوں کے ہاتھ میں بہت سے انگریزی اخبارات ہیں جن کے ذریعے وہ گویا بالمشافہ گورنمنٹ کے سامنے اپنا عرض حال کر سکتے ہیں اور فوائد اٹھا سکتے ہیں۔ اسی طرح بہت سے معزز اردو اخبارات بھی ان کے ہاتھ میں ہیں اور مسلمان اس بارے میں گویا بالکل بے زبان ہیں'' ۱۸۵۷ کے بعد اردو صحافت کا انداز بدلنے لگا۔ جو اپنے طور پر تحقیق اور تعبیر کا الگ موضوع ہے۔ یہ انداز صحافت بذات خود اپنے اندر کچھ سوالات رکھتا ہے۔

۱۸۵۷ سے پہلے کے اردو اخبارات میں دیسی حکومت کے لیے نرم گوشہ پایا جاتا تھا۔ ان اخبارات کی ترسیل بھی قابل لحاظ تھی اور ان کا عوام میں ایک اثر بھی تھا۔ برطانوی راج کا ان اخبارات سے خائف ہونا یا ان پر سخت پابندی عاید کرنا اس امر کا بین ثبوت ہے۔ یہ بھی واضح ہے کہ جنگ آزادی میں عوام کی رائے بدلنے اور انھیں بغاوت پر اکسانے میں ان اخبارات کا کردار اہم رہا یوں یہ عوام کی رائے پر اثر انداز ہونے میں کامیاب تھے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ان اخبارات کا ویسا اثر نہیں ہو سکا جیسا بنگالی یا دوسری زبانوں کے اخبارات کا ہوا اور ان کو ایک المناک انجام کا سامنا کرنا پڑا۔ شاید اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ ان اخبارات میں منطقی استدلال کی کمی اور جذباتیت کا رجحان زیادہ تھا۔ پھر یہ بھی تھا کہ انگریزوں کی آمد سے مسلمانوں کی حاکمیت براہِ راست مجروح ہوئی تھی اس لیے بدلتے ہوئے وقت کی ضروریات کا احساس کرنے کی بجائے وہ اپنی شکست کا بدلہ لینے میں اس قدر پر جوش تھے کہ کسی باقاعدہ نظام کو

سامنے نہیں رکھ سکے۔ ان اخبارات کو برطانوی راج کی بڑھتی ہوئی طاقت کا بھی پورے طور پر احساس نہیں ہو سکا اور نہ وہ اس وقت میں طاقت کے توازن کو پہچان سکے۔ اسی طرح اس جنگ اور اس کے نتیجے میں ہونے والی ناکامی کا بھی وہ پہلے سے اندازہ نہیں کر سکے۔ اس کے مقابلے میں خاص طور پر بنگالی اخباروں نے نہ صرف اس طاقت کے توازن کا اندازہ کر لیا تھا بلکہ وہ نئے حاکموں کے عمومی مزاج کو بھی پہچان گئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر چہ سیاسی بیداری اور صحافتی آزادی کے لیے بنگال سے توانا آوازیں اٹھتی رہیں لیکن ان اخبارات کا مقدر ایسا المناک نہیں تھا۔

حواشی:

۱۔ عبدالاسلام، خورشید، ڈاکٹر، داستان صحافت، (لاہور: مکتبہ کارواں، جولائی ۱۹۸۳ء)، ص: ۴۳

۲۔ ایضاً، ص: ۹۹

۳۔ Marshall, P. J. *"The White Town of Calcutta under the Rule of the East India Company."* 2000, Modern Asian Studies 34 (2): 324.

۴۔ Barns, Margarita. 1940. *The Indian Press: A History of the Growth of Public Opinion in India.* London: Allan & Unwin pg.95

۵۔ Seemi Naghmana Tahir, DR and Munir Ahmad Baloch, DR. *"The War of Independence 1857 and The Role of Urdu Persian Newspapers"*, Pakistan Journal of History and Culture, Vol.XXX, No.1, 2009 pg 29, 30

مآخذ:

۱۔ عبدالاسلام، خورشید، ڈاکٹر، داستان صحافت، لاہور: مکتبہ کارواں، جولائی ۱۹۸۳ء۔

۲۔ Barns, Margarita. 1940. *The Indian Press: A History of the Growth of Public Opinion in India.* London: Allan & Unwin.

۳۔ Marshall, P. J. *"The White Town of Calcutta under the Rule of the East India Company."* 2000, Modern Asian Studies.

۴۔ Seemi Naghmana Tahir, DR and Munir Ahmad Baloch, DR. *"The War of Independence 1857 and The Role of Urdu Persian Newspapers"*, Pakistan Journal of History and Culture.